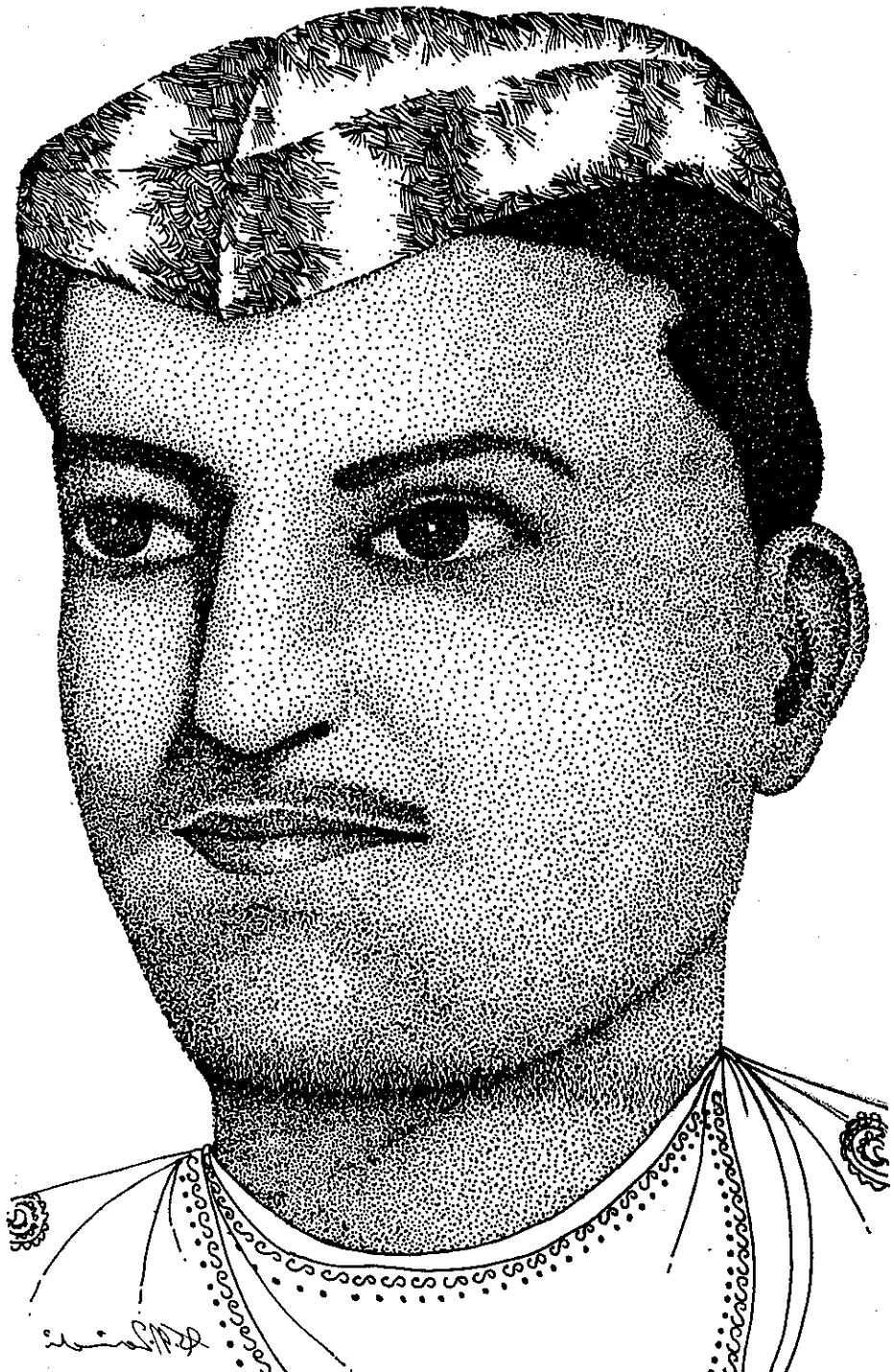

دیاشنکرنسیمؔ

(1844 ـــ 1812)

دیاشنکرنسیمؔ لکھنؤ کے ایک معزّز کشمیری خاندان میں پیدا ہوئے۔ نوجوانی کے زمانے میں وہ آتشؔ کے شاگرد ہوئے، صرف چھبّیس سال کی عمر میں یعنی 1838 میں انھوں نے ”مثنوی گلزارِنسیم“ لکھی۔ نسیمؔ نے غزلیں بھی لکھی ہیں،لیکن ان کی شہرت کی بنیاد اس مثنوی پر ہے جو اردو کی دوسری سب سے زیادہ مقبول مثنوی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ مثنوی اپنی اصل شکل میں بہت لمبی تھی۔ آتشؔ کے مشورے پر نسیمؔ نے اسے تقریباً دو تہائی کم کردیا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ مثنوی میں کہیں کہیں جو بے ربطی نظر آتی ہے وہ اسی وجہ سے ہے لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ نسیمؔ کا اندازِ بیان ہی ایسا رہا ہو۔ مثنوی کے اشعار میں مصرعوں اور فقروں کو اکثر اس طرح جوڑا گیا ہے کہ محسوس ہوتا ہے کہ شاعر جان بوجھ کر کم سے کم الفاظ استعمال کررہا ہے۔

”گلزارِنسیم“ اور ”سحرالبیان“ کا مقابلہ اکثر کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ”گلزارِنسیم“ کا اسلوب بناوٹ سے بھرپور اور بوجھل ہے۔ یہ بات بہت صحیح نہیں ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ”گلزارِنسیم“ میں استعاروں کی کثرت ہے،

اس لیے اس کے اشعار کہیں کہیں غور طلب معلوم ہوتے ہیں۔ تعریف کی بات یہ ہے کہ رعایتوں اور استعاروں کو نبھاتے ہوئے دیا شنکر نسیم نے ایک چھوٹی سی کہانی کو مختلف معنوی امکانات سے بھر دیا ہے۔

جو اقتباس ہمارے سامنے ہے اس میں شہزادہ تاجُ المُلوک اپنی معشوقہ بکاولی کی تلاش میں ایک جنگل میں جا نکلتا ہے۔ وہاں اس کی ملاقات شہزادی روح افزا سے ہوتی ہے۔ روح افزا بکاولی کی دوست ہے، وہ بھی اس کو ڈھونڈنے نکلی تھی کہ ایک دیو اُس کو پکڑ کر لے گیا۔ تاجُ المُلوک کے پاس دو جادوئی تحفے ہیں، ان کی مدد سے وہ دیو پر غالب آتا ہے۔

○

تاجُ المُلوک روح افزا کو دیو سے چھُڑاتا ہے

بولی وہ کہ سُن تو آدمی زاد! — وہ دیو ہے، تیری کیا ہے بُنیاد
تجھ پاس تو اک عَصا ہے جانی — لاٹھی سے جُدا نہ ہوگا پانی
بولا وہ کہ یہ جو لٹھ مِرا ہے — موسیٰ کا عَصا ہے، اژدہا ہے
یہ کہہ کے، جَتائے جوہر اپنے — سامان دِکھائے یکسر اپنے
ٹوپی جو اُتار لی تھی سَر سے — پھر رکھ کے، نہاں ہوا نظر سے
لٹھ کاندھے پہ رکھ، ہَوا پہ جاکر — ظاہر ہوا، ٹوپی کو اُٹھا کر
یہ شُعبدہ دیکھ کر پری نے — اُڑ چلنے کے پائے کچھ قرینے
تسکیں جو ہوئی پری کے جی کو — وہ آدمی لے اُڑا پری کو
وہ دیو، پری کو اُڑتے پاکر — اُچکا، تو مِلا ہَوا پہ جا کر

شہ زادے نے اپنے سر کی ٹوپی — جلدی سے پری کے سر پہ رکھ دی
بدلی میں چھپی وہ ماہِ روشن — بجلی سا عیاں ہوا یہ پُر فن
وہ دیو، کہ تھا پری پہ لپکا — حیرت زدہ آدمی پہ لپکا
شہ زادہ، کہ لٹھ سے برق دَم تھا — بادل سا ہَوا کا ہم قدم تھا
دیکھا جو نہ دیو نے گُزارا — پتّھر اک اُٹھا کے پھینک مارا
وہ سنگِ گرانِ حربۂ غول — تاثیر سے پھل کی، بن گیا پھوُل
لٹھ اُس کا پڑا، تو وہ ہوا چوُر — جس طرح عصا سے جامِ بلّور
غُل کرکے، زمین پر گرا دیو — موجود ہوئے ہزار ہا دیو
بادل کی طرح جو اُمڈے دشمن — لاٹھی سے ہوا وہ برقِ خرمن
موسیٰ کا عصا تھا، لٹھ جواں کا — اک ہی لاٹھی سے سب کو ہانکا
سُرمہ کیا کوہ پیکروں کا — جی چھوٹ گیا دِلاوروں کا
ٹوپی کو اُتار کر پری نے — چومے قَدَمِ بشر، پری نے
حُسن آرا، اُس پری کی مادر — باپ اُس کا، بادشہِ مظفّر
قدموں پہ گرے، کہا ادب سے — حُرمت رہی آپ کے سبب سے
بولا وہ: خدا خدا کرو، واہ — ہے جملہ جہاں کا مالک اللہ
قادِر وہی، کبریا وہی ہے — آخر وہی ابتدا وہی ہے
بولے وہ کہ حق ہے، جو ہے فرمان — تم وقت کے اپنے ہو سُلیمان
کھولو کمر، آؤ، لُطف فرماؤ — شربت پیو، میوہ ہائے تر کھاؤ
بولا وہ کہ اِشتہا کسے ہے — کھانے کا مزا رہا کسے ہے
سیّاح کو کیا قیام سے کار — شبنم نہیں جاگزینِ گُلزار
دَرویش، رواں رہے تو بہتر — آبِ دریا، بہے تو بہتر

روح افزا بول اُٹھی: اجی واہ! ہم جانے نہ دیں گے تم کو واللہ
آرام کرو، کرم کرو، آؤ ہم رام ہوئے، نہ رَم کرو، آؤ

معنی اور اشارے

لٹھ سے برق دَم تھا = لاٹھی پاس میں ہونے کی وجہ سے بجلی کی طرح تیز تھا۔

حربہ = ہتھیار

غوُل = مُردوں کو کھانے والے شیطان جن کی آنکھیں چراغ کی طرح چمکتی ہیں اور جو مُسافروں کا راستہ بہکاتے ہیں۔ یہاں پر یہ لفظ صرف شیطان (یعنی دیو) کے معنی میں آیا ہے۔

تاثیر سے پھل کی بن گیا پھول = دیو نے جو پتّھر مارا تھا وہ تاج الملوک کی لاٹھی کی نوک کے اثر سے پھول بن گیا۔ لاٹھی کی نوک پر لوہا یا کوئی دھات چڑھاتے ہیں اسے لاٹھی کی "شام" کہا جاتا ہے۔ چونکہ وہ نوک دار ہوتی ہے اور کبھی چاقو کی شکل کی بھی ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے شاعر نے لفظ "پھل" کا استعمال کیا ہے۔

جاگزیں = "جاگزیں" کا لفظ "جا" بمعنی "جگہ" اور "گزیدن" بمعنی "انتخاب کرنا" سے بنایا گیا ہے۔ "گزیدن" کے معنی

ہیں "کاٹنا یا ڈنک مارنا"۔ جیسے "مارگزیدہ" یعنی وہ جس کو سانپ نے کاٹا ہو۔

جاگزینِ گلزار = باغ میں رہنے والا (والی)

غور کرنے کی بات اور مشق و مطالعہ

اس اقتباس میں شاعر نے جگہ جگہ مکالمے کا استعمال کیا ہے۔ جتنے اشعار میں مکالمہ آیا ہے ان کو نقل کیجیے اور ان کی نثر بنائیے تاکہ آپ کو اندازہ ہو کہ شاعر نے الفاظ کے استعمال میں کتنی کفایت کی ہے۔

تاج الملوک کی لاٹھی کے حوالے سے شاعر نے حضرت موسیٰؑ اور ان کے عصا سے متعلق دو واقعات کو استعمال کیا ہے۔ مندرجہ ذیل مصرعے میں یہ استعمال غیر معمولی خوبی کا حامل ہے۔ ع

لاٹھی سے جُدا نہ ہوگا پانی

اس کی وجہ ایک کہاوت ہے کہ لاٹھی سے پانی نہیں پھٹتا۔ یعنی کسی معمولی وسیلے سے کوئی بڑا کام نہیں ہوتا۔ لیکن حضرت موسیٰؑ نے جب اپنا عصا سمندر پر مارا تو پانی میں راستہ بن گیا۔ اس طرح شاعر نے ایک چھوٹے سے مصرعے میں تین باتوں کی طرف اشارہ کر دیا:

1. روح افزا کہتی ہے کہ تاج الملوک، کی لاٹھی کچھ کام نہ آئے گی۔
2. کہاوت کی طرف بھی اشارہ آ گیا۔
3. اس بات کی طرف بھی اشارہ آ گیا کہ حضرت موسیٰ کی لاٹھی نے پانی کو پھاڑ دیا تھا اور شاید تاج الملوک کی لاٹھی سے بھی کوئی ایسا کام انجام پا جائے۔

ساری مثنوی اس طرح کی باریکیوں سے بھری ہے، جن کا تعلق الفاظ سے بھی ہے اور معنی سے بھی۔ مثلاً ؎

بدلی میں چھپی وہ ماہِ روشن
بجلی سا عیاں ہوا یہ پُرفن
وہ دیو کہ تھا پری پہ لپکا
حیرت زدہ آدمی پہ لپکا

روح افزا کو اس چاند کی طرح کہا ہے جو بدلی میں چُھپ جائے۔ بادل میں بجلی بھی ہوتی ہے۔ اس مناسبت سے تاج الملوک کو بجلی کی طرح ظاہر ہوتا دکھایا ہے۔ "روشن" اور "بجلی" کی مناسبت سے اگلے شعر میں "لپکا" کا لفظ آتا ہے۔ پھر "پری" کی مناسبت سے دوسرے مصرعے میں "حیرت" کا لفظ ہے۔

مثنوی کے آخری پانچ شعروں میں ایسی ہی باریکیاں تلاش کیجیے۔

"لُطف فرماؤ" کی جگہ آج کل "لُطف فرمائیے" کہا جائے گا۔ آج کل کے محاورے کی رو سے "لُطف فرماؤ" کو "شتر گربہ" کی مثال کہیں گے۔ "شتر گربہ" کا ذکر آپ پڑھ چکے ہیں۔

مندرجہ ذیل شعر ؎

سیّاح کو کیا قیام سے کار
شبنم نہیں جاگزینِ گلزار

بہت دلچسپ ہے کیونکہ اس میں کوئی فعل نہیں استعمال ہوا ہے۔ فعل کو استعمال کیے بغیر مصرع یا عبارت بنانا اور اس طرح بنانا کہ فعل کی کمی نہ محسوس ہو، بڑی خوبی کی بات ہے۔

رُباعی

رُباعی چار مصرعوں کی نظم ہوتی ہے۔ اس کا پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرع ہم قافیہ ہوتا ہے۔ تیسرا مصرع بھی اسی قافیے میں ہو تو کوئی ہرج نہیں۔ رُباعی کے پہلے شعر کو مطلع نہیں کہتے بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ ہم قافیہ ہونے کی بِنا پر رُباعی کے پہلے دو مصرعے "مُصرّع" ہوتے ہیں۔ رباعی میں عام طور پر اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ اس کا چوتھا مصرعہ سب سے زیادہ پُرزور ہو۔ اس کا بھی خیال رکھتے ہیں کہ پہلے دو مصرعوں میں جو بات کہی گئی ہے اس کے نتیجے یا انتہائی نقطے کو پیش کرنے کے لیے تیسرے مصرعے میں کوئی ایسا پہلو ڈال دیا جائے کہ جس سے چوتھے مصرعے کی طرف جَست ہو سکے، لیکن یہ شرطیں ایسی نہیں ہیں کہ اگر پوری نہ ہوں تو رُباعی نہ بن سکے۔ لیکن قافیوں کی پابندی اور بحر کی پابندی ایسی شرطیں ہیں جن کا پورا ہونا رُباعی کے لیے ضروری ہے۔ رُباعی "ہزَج" نامی بحر کی دو مخصوص شکلوں میں ہی کہی جاتی ہے۔ ان دو شکلوں میں تھوڑی بہت اندرونی تبدیلیاں کر کے چوبیس شکلیں بنائی گئی ہیں۔ رباعی کے چار مصرعے بحرِ ہزَج کی ان چوبیس شکلوں میں سے کسی چار شکلوں میں ہو سکتے ہیں۔